⊙ محمد اویس سلیمی

پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

⊙⊙ ڈاکٹر محمد آصف اعوان

صدر شعبہ اُردو، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

بانو قدسیہ کے ناولوں میں جنس نگاری کے عناصر

Abstract:

Raja Gidh is not only the masterpiece of Bano Qudsia but also the pride of Urdu fiction. The unique philosophy of "Rizq-e-Haram", the allegorical value of birds and ornamental style of writing made this novel worth reading. Bano fabricated its plot with the threads of philosophy, love and sex. The erotic aspect of this novel is a notable phenomenon which strengthens the story. These elements can be traced in Bano Qudsia's other novels like "Shehar-e-Lazawal Abad Veeranay" and "Hasil Ghat". This article throws light on sexual and erotic elements of Bano's thought provoking novels.

Keywords:

Bano Qudsia, Novel, Sexuality, Fiction, Allegory, Philosophy

بانو قدسیہ اردو ادب کی ایک کثیر الجہت ادیبہ ہیں۔ ادبی دنیا میں 'بانو آپا' کے نام سے مشہور ہوئیں۔ انھوں نے ایک سو سے زائد افسانے لکھے۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور تھیٹر کے لیے اردو اور پنجابی زبان میں ڈرامے بھی تحریر کیے۔ خاکہ نگاری میں بھی اپنے قلم کا جوہر دکھایا لیکن ادبی دنیا میں سب سے زیادہ شہرت ناول نگاری کی وجہ سے حاصل کی۔ انھوں نے تین ناول اور چار ناولٹ لکھے۔ ناولوں میں ان کے شاہکار ناول راجہ گدھ نے انھیں ادبی دنیا میں شہرت کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ ان کی ساری زندگی قلم اور کتاب سے وابستہ رہی۔ بانو قدسیہ اور ان کے مجازی خدا جو خود بھی اردو کے ایک بلند پایہ ادیب اور مصنف تھے، نے تمام عمر کہانیاں لکھنے میں صرف کر دی اور اسی کمالِ فن کے سبب ان کی رہائش گاہ بھی 'داستان سرائے' کے نام سے جانی اور پہچانی جاتی تھی۔

بانو قدسیہ کی پیدائش ۲۸ نومبر ۱۹۲۸ء کو ہندوستان کے شہر فیروز پور میں ہوئی۔ والد کا نام بدرالزماں اور والدہ کا

نام ذاکرہ چٹھہ تھا۔ خاندانی پس منظر کے لحاظ سے وہ جاٹ خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور ان کی گوت 'چٹھہ' تھی۔ ان کے والدین نے ان کا پہلا نام 'قدسیہ بانو' رکھا تھا مگر ادبی دنیا میں 'بانو قدسیہ' کا نام ان کی وجہ شہرت بنا۔ ابھی وہ صرف چار سال کی تھی کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ بانو قدسیہ کے ایک بڑے بھائی تھے جن کا نام پرویز چٹھہ تھا۔ خاوند کی وفات کے بعد مسز چٹھہ نے ایک تعلیمی ادارے میں بطور ہیڈ مسٹریس ملازمت شروع کر دی۔ بانو قدسیہ کی تعلیم اور گھریلو حالات کے بارے ڈاکٹر انور سدید یوں رقم طراز ہیں:

''دھرم سالہ میں تعلیم کا انتظام صرف میٹرک تک تھا۔ چنانچہ بانو قدسیہ کو یہ پہاڑی شہر چھوڑ کر لاہور آنا پڑا۔ کوپر روڈ کالج سے ایف اے کرنے کے بعد انھوں نے کنیئرڈ کالج لاہور میں داخلہ لے لیا۔''(۱)

لاہور کے ایک کالج میں بی اے کے امتحان سے فارغ ہو کر بانو قدسیہ واپس اپنی والدہ کے پاس چلی گئیں۔ اسی عرصے کے دوران تقسیم ہند کا مسئلہ بھی شدت اختیار کر گیا اور اس کے نتیجے میں پاکستان معرض وجود میں آ گیا۔ مسز چٹھہ اپنے مختصر خاندان اور باقی لوگوں کے ساتھ ہجرت کر کے پاکستان میں آ کر لاہور میں رہائش پذیر ہو گئے۔ یہاں آنے کے بعد بانو قدسیہ کا بی اے کا نتیجہ بھی آ گیا اور انھوں نے اس میں کامیابی حاصل کر لی۔ اس کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم۔اے اردو کرنے کے لیے داخلہ لے لیا۔ اسی کلاس میں اشفاق احمد نے بھی داخلہ لے لیا تھا اور یوں اشفاق احمد سے بانو قدسیہ کی شناسائی کا آغاز ہوا۔ ان دونوں کی ایک دوسرے سے تعلیمی اور ادبی حوالے سے دوستی بھی ہو گئی۔ دونوں آپس میں عزت و احترام سے ملتے اور پھر ان ملاقاتوں نے بانو قدسیہ کی زندگی کو یکسر تبدیل کر دیا۔ اشفاق احمد سے ملاقات اور پھر شادی نے ان کے ادبی سفر کا آغاز کر دیا اور وہ 'قدسیہ بانو' سے 'بانو قدسیہ' کہلانے لگیں۔

بانو قدسیہ نے ایک سو سے زائد افسانے لکھے، ڈرامہ نگاری میں بھی اپنے فن کا جوہر دکھایا لیکن ادبی دنیا میں اصل شہرت ناول نگاری کی وجہ سے ملی۔ انھوں نے تین ناول لکھے۔ ناولوں میں ان کے شاہکار ناول راجہ گدھ کے علاوہ حاصل گھاٹ اور شہر لازوال آباد ویرانے بھی شامل ہیں۔ ان میں سے راجہ گدھ کو جو شہرت اور پذیرائی نصیب ہوئی، وہ اردو ادب میں شائد ہی کسی اور ناول کو نصیب ہوئی ہو۔ ناول کے ساتھ ساتھ خود مصنفہ نے بھی اس ناول ہی کی وجہ سے ادبی دنیا میں کمال شہرت حاصل کی۔ اردو ناول نگاری میں یہ ناول اپنے منفرد نظریات اور اسلوب کی وجہ سے ایک شاہکار ناول کے طور پر گردانا گیا۔ بانو قدسیہ نے اس ناول میں رزق حلال اور حرام کے فلسفے کے ساتھ ساتھ جنسی موضوعات کو بہت ہی بے باک اور حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ایک عورت ہوتے ہوئے انھوں نے جنسی حقیقت نگاری میں کسی بھی قسم کے بخل، جھوٹ، مافوق الفطرت واقعات اور جھجک کا مظاہرہ کیے بغیر کھلے الفاظ میں اس حقیقت کو بیان کیا۔ اس بے باکی پر انھیں شدید تنقید اور الزامات کا سامنا بھی کرنا پڑا لیکن انھوں نے کہا کہ جو دیکھا اسے ویسے ہی بیان کر دیا۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان اس ناول کے بارے اپنی رائے کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

''بانو قدسیہ کا ناول راجہ گدھ ایک ایسے دور میں سامنے آیا جب ہمارے معاشرے میں ذات کی شکست و ریخت، اخلاقی زوال اور بے سمتی کا نمایاں احساس پایا جاتا ہے۔''(۲)

مصنفہ نے اس ناول میں مذہبی تصورات اور نظریات کے حوالے سے مختلف مسائل پر روشنی ڈالی ہے۔ انھوں

نے حلال اور حرام رزق کے بارے میں اپنے نظریات اور خیالات کا بھی کھل کر اظہار کیا ہے کہ رزق حرام کھانے سے انسان کے دل و دماغ اور سوچ و فکر پر کون کون سے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور رزق حلال کھانے سے انسان کی شخصیت اور سوچ میں کون سی مثبت تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ ان کی سوچ میں کتنا فرق ہوتا ہے۔ رزق حلال اور حرام کے مباحث کے ساتھ انھوں نے غلط جنسی تعلقات قائم کرنے پر کھلے اور بے باک انداز میں بات کی ہے۔ جو لوگ جنسی بے راہ روی کی دلدل میں پھنس جاتے ہیں ان کا کتنا بھیانک انجام ہوتا ہے۔ ان کی ان غلط کاریوں کا اثر ان کی آنے والی نسل پر کیسے پڑتا ہے۔ جو لوگ رزق حرام کھاتے ہیں ان کے بچوں کی اخلاقی تربیت اور ذہنی نشو و نما پر کس طرح کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر عقیلہ جاوید بانو قدسیہ کی ناول نگاری کے بارے یوں رقم طراز ہیں:

> ''بانو قدسیہ اپنے ناولوں میں انسان کی تخلیق، اس کے ذہنی و فکری ارتقاء، اس کی جنسی نفسیات، اس کی تہذیب و مذہب اور تصوف کے حوالوں سے کائنات میں اس کے مقام سے بحث کرتی ہیں۔''(۳)

شاعری سے لے کر تمثیل نگاری، داستانوں، قصے کہانیوں، مصوری، موسیقی اور بت تراشی میں جنسی علامات و محرکات اور اشاروں کنایوں میں محبوب کے لا جواب حسن اور خوبرو جسم کا ذکر کرنا شروع سے چلتا آ رہا ہے۔ ہر زبان و ادب کے شاعروں اور نثر نگاروں نے اپنے شدید جذبۂ عشق و محبت کی پر جوش ترجمانی کی ہے۔ قدیم زمانے کے ادب میں جنسی خیالات اور موضوعات کو زیادہ کھلے الفاظ میں بیان کیا جاتا تھا۔ بعض ادیبوں اور شاعروں نے تو اپنے جنسی تسکین کے لیے جنسی خیالات اور موضوعات کا سہارا لیا لیکن بعض نے صرف اور صرف معاشرتی حالات و واقعات، زمینی حقائق اور زندگی کے عام مسائل کی بھرپور طریقے سے عکاسی کرنے کی کوشش ہے۔ انھوں نے سماجی اور معاشرتی برائیوں کو بے نقاب کرنے کے لیے ایسے ہتھیار استعمال کیے۔ تاکہ ارد گرد ہونے والے واقعات سے آنے والی نسلوں کو آگاہ کر سکیں۔ ایک اچھا ادیب اپنے آس پاس جو کچھ دیکھتا اور محسوس کرتا ہے وہ ان حالات و واقعات، حقائق اور مسائل کو مختلف علامات، مثالوں اور زاویوں سے بیان کرنے کے لیے اپنی فنی مہارتوں کو بروئے کار لاتا ہے۔ اگر وہ کسی جنسی موضوع کو لوگوں کے سامنے لاتا ہے تو وہ اس سے لذت محسوس نہیں کرتا بلکہ وہ ایک حقیقت نگار بن کر ان مناظر اور واقعات کو بیان کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس تخلیقی رجحان کے بارے میں ایم ڈی تاثیر اپنے خیالات کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> ''جنسی خواہش ایک فطری حقیقت ہے۔ اس کو دبانا بھی عیب ہے اور اس کو جا و بے جا ننگا کر کے دکھانا بھی۔ مگر یہ عیب کوئی ایسا عیب نہیں کہ جس سے اس کا ارتکاب ہو جائے اسے پھانسی پہ لٹکا دیا جائے۔ اگر بعض ادیب کبھی کبھار اعتدال کی حد سے گزر جاتے ہیں تو کیا ہوا۔''(۴)

اردو ادب میں جنس نگاری کا تصور اور رجحان کم یا زیادہ صورت میں شروع سے موجود ہے۔ ہر زبان و ادب کی مختلف اصناف میں یہ تصور اور رجحان کہیں نمایاں انداز میں اور کہیں علامتی طور پر موجود ہے۔ شاعری کی مختلف اصناف مثلاً مثنوی، رباعی، ریختی، غزل اور نظم میں جنسی موضوعات کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ اسی طرح اصنافِ نثر داستان، ناول، افسانوں، ڈراموں، سفرناموں اور طنز و مزاح وغیرہ میں یہ رجحان عام دکھائی دیتا ہے۔ اردو ناولوں میں یہ رجحان کافی حد تک پایا جاتا ہے۔ کسی میں کم اور کسی میں اس حد تک کہ اس ناول کو ادبی لحاظ سے 'جنسی ناول' قرار دیا جا سکتا ہے۔ اردو ادب

کی بعض خواتین ناول نگاروں نے بے باک لہجے کی پیروی کرتے ہوئے کچھ ایسے ناول تحریر کیے ہیں جن میں جنس اور جنس سے متعلق دیگر مسائل اور امکانات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ عصمت چغتائی کا ناول ٹیڑھی لکیر اس سلسلے کی ایک بہترین مثال ہے۔ اردو ادب کے ممتاز اور منفرد افسانہ نگار سعادت حسن منٹو نے بھی اپنے افسانوں میں جنسی موضوعات کو ننگے اور بے باک انداز میں پیش کیا ہے۔ انھوں نے سماج کے اندر جو بھی دیکھا اسے اسی طرح اور انھی کے الفاظ میں بیان کر دیا۔ اس پر انھوں نے کئی الزامات کو بھی برداشت کیا لیکن حقیقت نگاری سے پیچھے نہیں ہٹے۔

منٹو کی جنسی حقیقت نگاری کے واضح اثرات بانو قدسیہ کی جنسی حقیقت نگاری میں نظر آتے ہیں۔ انھوں نے اپنے ناولوں میں مختلف قسم کے مذہبی مسائل، سماجی اور معاشرتی مسائل اور در پردہ وقوع پذیر ہونے والے حالات و واقعات کو حقیقی انداز میں پیش کرنے کے لیے حقیقت نگاری اور جنس نگاری سے کام لیا ہے اور اس کو حقیقی انداز میں بیان کرنے کی کامیاب اور بھرپور کوشش بھی کی ہے۔ انھوں نے جنسی موضوع کے ذریعے معاشرے میں موجود مکروہ چہروں سے پردہ اٹھانے اور ان کی اصلیت لوگوں کے سامنے لانے کی جرات اور ہمت دکھائی ہے۔ جو عام معاشرتی زندگی میں شرافت کا لبادہ اوڑھ کے پھرتے ہیں لیکن ان کے اندر ایک خوف ناک جنسی بھیڑیا بھی موجود ہوتا ہے۔ اسے جب اور جہاں بھی کبھی موقع ملتا ہے، وہ اپنے شکار کو اپنے جنسی جال میں قابو کر لیتا ہے۔ اس تلخ حقیقت کے ساتھ ہی مصنفہ نے مرد اور عورت کے جسمانی تعلقات کو بھی تمام تر جزئیات اور تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے۔

راجہ گدھ کے مرکزی کرداروں میں پروفیسر سہیل، سیمی شاہ، قیوم، اور آفتاب شامل ہیں۔ مصنفہ نے ان کرداروں کے علاوہ کچھ ذیلی کرداروں کو بھی اس ناول میں جگہ دی ہے۔ ناول کا آغاز کلاس روم سے ہوتا ہے۔ پروفیسر سہیل کلاس میں مختلف موضوعات پر لیکچر دیتا ہے۔ اپنے طلبا کو حلال و حرام اور اخلاق و کردار کے بارے نصیحتیں کرتا رہتا ہے۔ کلاس کے آغاز میں ہی عشق لاحاصل کی بحث شروع ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ مرد کی جنسی قوت کے اظہار کو انسان کی قوتِ محرکہ ہونے پر دلائل دیتا ہے تو آفتاب، قیوم اور سیمی شاہ اسی دن سے خوابوں کی دنیا کی سیر کو نکل پڑتے ہیں اور اس پسندیدہ موضوع پر غور کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

بانو قدسیہ نے اس ناول میں رزقِ حلال و حرام کے نظریہ کے ساتھ ساتھ جنسی تعلقات کے بارے اپنا واضح نقطہ نظر اور فلسفہ بیان کرنے کی سعی کی ہے کہ جن لوگوں کو جنسی ہوس پرستی اور زنا جیسی برائیوں کی عادت پڑ جاتی ہے، اس کے پیچھے کون کون سے محرکات اور عوامل شامل ہوتے ہیں۔ وہ لوگ کیوں اس غلط راستے پہ چلتے ہیں۔ اس میں بعض لوگ والدین کی عدم توجہی کی وجہ سے بھی بہک جاتے ہیں اور بعض لوگ لقمۂ حرام کھانے سے اس کبیرہ گناہ کے عادی بن جاتے ہیں اور ساری زندگی اسی دلدل میں پھنسے رہتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں بعض والدین اپنے کاروباری و دیگر امور میں اتنے زیادہ مصروف ہو جاتے ہیں کہ ان کے لیے اپنے گھر اور اپنے بیوی بچوں کے لیے وقت نکالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ وہ لوگ دولت کی کثرت کی وجہ سے اپنے بچوں کو دنیا کی ہر سہولت اور آسائش تو مہیا کرتے ہیں لیکن ان کی بہتر ذہنی و اخلاقی تربیت کرنے کے لیے ان کے پاس وقت نہیں ہوتا۔

بعض اوقات ایسے حالات بھی دیکھنے کو ملے ہیں کہ لوگ اپنی بے جا مصروفیات کے باعث اپنے بچوں کو بہتر

انداز میں وقت ہی نہیں دے پاتے تو وہ ان کی پرورش اور دیکھ بھال کی ذمہ داری گھریلو ملازموں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ وہ ملازم ہی ان کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ ان کے لڑکے اور لڑکیاں پڑھائی کے دوران ہاسٹل میں رہنے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ وہاں ان کی صحیح نگرانی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا، وہ ہر کام اپنی مرضی سے کرتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ غلط لوگوں کے ہاتھوں برے کاموں میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ لڑکیاں اپنے طور پر ایسے لوگوں سے تعلق استوار کر لیتی ہیں جو انھیں آہستہ آہستہ غلط راستے پر چلانا شروع کر دیتے ہیں اور یوں لڑکیاں جنسی بے راہروی کا شکار ہو جاتی ہیں۔ ان کی زندگی تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ لوگ پہلے ان سے پیار اور محبت کا رشتہ قائم کرتے ہیں۔ انھیں یہ احساس دلاتے ہیں کہ وہ ان سے سچا پیار کرتے ہیں لیکن آ کر کار ان کا پیار اپنے محبوب کے خوب صورت جسم کو نوچنے پر ختم ہو جاتا ہے۔ لڑکی اگر اسے دوبارہ وہ کام نہیں کرنے دیتی تو وہ اسے چھوڑ کر کسی اور سے پیار جتانے لگتا ہے۔ لڑکیاں بھی جب اس مکروہ دھندے میں پڑتی ہیں تو وہ ساری زندگی اسی دلدل میں پھنسی رہتی ہیں۔ لوگ انھیں ٹشو پیپر کی طرح استعمال کرتے ہیں اور پھر کچرا دان میں پھینک دیتے ہیں۔

والدین کی تھوڑی سی کوتاہی سے ان کی اولاد ساری زندگی کے لیے تباہی کے دھانے پر پہنچ کر شرمناک زندگی گزارنے لگ جاتی ہے۔ بعض لڑکیوں کو اس گناہ اور جنسی نشے کی ایسی بری عادت پڑ جاتی ہے کہ وہ اس میں آگے سے آگے بڑھتی جاتی ہیں۔ ان کو اپنی اور اپنے والدین کی عزت اور ناموس کا ذرا سا بھی احساس نہیں رہتا۔ مصنفہ نے اسی خوف ناک صورت حال اور ابتر معاشرتی حالات کو بیان کیا ہے کہ جب والدین اپنی اولاد پر خصوصی توجہ نہیں دیتے تو ان کی اولاد خصوصاً لڑکیاں کس طرح غلط لوگوں کے چنگل میں پھنس جاتی ہیں اور لوگ ان سے اپنی جنسی ہوس پوری کرتے ہیں۔ مصنفہ نے جنسی تعلقات اور معاملات کو بیان کرنے کے لیے حقیقت پسندی کا مظاہرہ کیا ہے۔ انھوں نے معاشرے میں ہونے والی جنسی بے راہروی کو اپنی مشاہداتی آنکھ سے دیکھا۔ اس کا تجزیہ کیا اور اسے حقیقی انداز میں لوگوں کے سامنے پیش کر دیا۔ ذیل میں راجہ گدھ سے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں، جن سے مصنفہ نے مرد و عورت کے جسمانی تعلقات اور جنس نگاری کے پہلو کو اجاگر کیا ہے:

> ''اب میں نے آفتاب بن کر بھیس بدل کر اس پر شب خون مارا اور اس کی ایک ایک بوٹی اتار لی۔ جوں جوں میں اسے چومتا وہ برابر اداسی کے ساتھ، اپنے وجود کی ایک ایک اینٹ اتار کر پھینکتی جاتی۔''(۵)

> ''میں نے بازو پھیلا کر اسے اپنے وجود کے ساتھ لپٹا لیا.....اس نے اپنے اعضا ڈھیلے چھوڑ دیے۔''(۶)

> ''جب میں اس کے بہت قریب ہو جاتا اور اس کی آستین کو رول کرنے لگتا تو وہ ہمیشہ آنکھیں بند کر لیتی۔''(۷)

> ''بڑی دیر کے بعد وہ بولی، اچھا اتنی بات تم آفتاب کو ضرور بتا دینا کہ میرے تم سے جسمانی تعلقات پیدا ہو گئے تھے۔''(۸)

> ''مرد کا روپ، عورت کا روپ یہی تنوع ہمیشہ کی جستجو کا باعث بنتا ہے۔ اسی جستجو نے مجھے عابدہ پر

شب خون مارنے کے لیے اکسایا۔''(۹)

''جنس کے راستے پر عورت کبھی خوار نہیں ہوتی۔ وہ ہمیشہ محبت حاصل کرنے کے لیے آتی ہے اور بچہ حاصل کر کے واپس چلی جاتی ہے۔''(۱۰)

''میں نے اس کے سر کو بوسہ دیا..... پھر میں نے اس کے ماتھے کو چوما..... آہستہ سے میں نے اس کی گال پر اپنے ہونٹ ثبت کیے۔''(۱۱)

''میں نے سنا ہے ہوسٹل میں لڑکے Homo Sexual ہوتے ہیں۔ سچ سچ بتانا۔ کیا تمھارا اس کا جسمانی تعلق تھا۔''(۱۲)

ناول میں پیش کیے گئے کردار اردو کے دوسرے ناولوں کے برخلاف اپنی ایک الگ نوعیت رکھتے ہیں۔ یہ نہ تو پورے نمائندہ کردار ہیں اور نہ ہی انھیں مکمل منفرد کردار کہا جا سکتا ہے۔ یہ کردار ہمارے معاشرے کے عام، جیتے جاگتے، حساس اور ذہین انسان ہی ہیں۔ ان میں سے بعض کرداروں کا اہم مسئلہ اپنی شناخت اور اپنی شخصیت کی دریافت کا ہے۔ یہ اپنی روح کی کائنات کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ ان کا اصل مسئلہ اپنا انفرادی وجود ہے۔ یہ تمام کردار کائنات کی اس وسیع و عریض تجرباتی دنیا میں اپنے اپنے وجود اور خیال کے ساتھ داخل ہوتے ہیں لیکن کسی بھی درست اور واضح سمت کا تعین نہیں کر پاتے۔ مصنفہ نے ان کرداروں سے بالکل کھلے الفاظ میں ان کے باطنی خیالات، جذبات اور احساسات کا اظہار کروایا ہے۔ اس کے لیے انھیں ایسے الفاظ بھی استعمال کرنا پڑے جن کی وجہ سے لوگ ان پر فحش نگاری کا الزام لگاتے ہیں۔ حالانکہ انھوں نے جو دیکھا اسے حقیقت کے ساتھ بیان کر دیا۔

جب کوئی مرد کسی عورت کے جسم یا غلط تعلقات کے بارے کچھ کہے گا تو اسے بیان کرنے کے لیے ایک حقیقت نگار الفاظ کا ایسا چناؤ کرے گا جس سے اس منظر کا واضح انداز میں اظہار ہو سکے۔ جب کوئی لڑکی جنسی ہوس، مرد اور عورت کے ناجائز جسمانی تعلقات اور جسم فروشی کے بارے بات کرے گی تو اسے حقیقت کا جامہ پہنانے اور اسے لفظوں میں بیان کرنے کے لیے وہ الفاظ ہی استعمال کیے جائیں گے جن سے اس بات کو بہتر انداز میں بیان کرنے میں مدد مل سکے گی۔ اس ناول میں مصنفہ نے تباہ کن جنسی تعلقات اور معاملات کے تمام امور اور پہلوؤں کو حقیقی انداز میں پیش کیا ہے۔

مصنفہ نے مختلف معاشرتی مسائل سے پردہ اٹھانے کے لیے مختلف معاشرتی کرداروں سے مدد لی ہے اور وہ اس کام میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوتی نظر آتی ہیں۔ انھوں نے ایک ماہرِ نفسیات کی طرح مرد اور عورت کے درمیان جسمانی تعلقات کا نفسیاتی جائزہ لیا ہے۔ مرد کس طرح عورت کے جسم سے اپنی جنسی ہوس کو پورا کرتا ہے اور عورت کن وجوہات کی بنا پر جسم فروشی جیسے مکروہ دھندے کے لیے بھی راضی ہو جاتی ہے۔ اس عورت کو اس دلدل میں پھنسانے کے پیچھے کیا کیا محرکات اور اسباب ہیں۔ کیا وہ خود اس کام کو کرنے کی خواہش رکھتی ہے یا اسے مجبور کیا جاتا ہے۔ انھوں نے ان عورتوں کے معاشرتی اور گھریلو مسائل سے پردہ اٹھانے اور انھیں دنیا کے سامنے لانے کی ہمت کی ہے۔ عام معاشرتی عورتوں کے مخصوص مسائل کو بیان کرنے اور بانو قدسیہ کے اس کمالِ فن کے بارے ڈاکٹر عقیلہ جاوید اپنی رائے کا اظہار کچھ اس طرح کرتی ہیں:

'' بانو قدسیہ کو اپنے معاشرے، تہذیب اور گردوپیش کی زندگی خصوصاً اپنی صنف یعنی طبقۂ

نسواں کے مسائل وحالات سے صرف دلچسپی ہی نہیں بلکہ گہری محبت ہے۔''(۱۳)

اس ناول میں مصنفہ نے مختلف مزاج اور خصائل رکھنے والے مختلف کرداروں کے ذریعے اپنے خیالات ونظریات پیش کیے ہیں۔ یہ کردار عام زندگی گزارنے والے ہیں اور ان کی عادات واطوار اور بول چال کا انداز بھی عام لوگوں جیسا ہی ہے۔ ان کے درمیان بولے جانے والے مکالمات ان کے مخصوص کردار کی درست اور بہتر عکاسی کرتے ہیں اور مصنفہ کی یہ فن کارانہ مہارت قابلِ دید ہی نہیں بل کہ قابل داد بھی ہے۔ مصنفہ نے بعض حقائق کو اس فن کاری اور مہارت کے ساتھ بیان کیا ہے، جس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ جیسے وہ خود ان تمام حالات اور مناظر سے آشنا لگتی ہیں اور وہ حقائق ہمارے معاشرتی رجحانات کا ہی ایک حصہ ہیں اور ان جبلی اور وراثتی رجحانات سے بھی جو ہماری نفسیات کو متعین کرتے ہیں۔ بانو قدسیہ نے اپنے بھرپور مشاہدے کی بنا پر ان تمام کرداروں کو کمال فن کاری اور ماہرانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ اسی لیے تمام کردار جان دار اور ماحول سے مطابقت رکھنے والے ہیں۔ مصنفہ نے معاشرے کے عام عوام کے مسائل کو اسی معاشرے کے عام لوگوں کے ذریعے دنیا کے سامنے لانے کا کام کیا ہے۔

بانو قدسیہ نے استاد جیسے ایک اہم معاشرتی ستون کے کردار پر بھی اس لیے کڑی تنقید کی ہے کہ وہ بھی جنسی ہوس کا دلدادہ نظر آرہا ہے۔ وہ اپنی شاگرد لڑکیوں کے خوب صورت جسم سے اپنی جنسی پیاس بجھانے کی حسرت لیے ہوئے ہے۔ ہمارے معاشرے میں یہ برائی اور رجحان بہت عام ہو چکا ہے۔ استاد معاشرے کا ایک نہایت اہم اور محترم کردار ہے۔ یہی نہیں بل کہ اسلام نے استاد کو روحانی باپ کا درجہ دیا ہے۔ جب ایسا عظیم مرتبے کا حامل کردار بھی جنسی بھوک کا شکار ہوگا تو لوگ اس کے اس کردار سے متنفر ہو جائیں گے۔ بانو قدسیہ نے اسی رجحان کی طرف اشارہ کر کے اس گوشے کو عیاں کیا ہے کہ ہمارے معاشرے میں استاد جیسے عظیم مرتبے کے حامل لوگ بھی کس طرح لڑکیوں کے خوبصورت جسم کے متلاشی ہوتے ہیں۔ وہ کس طرح ان کو بہلا پھسلا کر ان سے اپنی ناجائز خواہشات کو پورا کرتے ہیں۔

مصنفہ نے ان کے باطن میں موجود غلاظت کی طرف اشارہ کیا ہے اور ہمارے سماج کے اس کرب ناک المیے پر گہرے رنج اور دلی افسوس کا اظہار کرنے کے ساتھ لعنت وملامت بھی کی ہے۔ معاشرے کی اس بھیانک تصویر کو مختلف کرداروں کے ذریعے اس انداز میں بیان کیا ہے تاکہ افراد ان تباہ کاریوں، غلط کاموں اور خرابیوں سے آگاہ ہو سکیں۔ کوئی بھی ادیب اپنے فن پارے کے ذریعے مختلف معاشرتی مسائل، خرابیوں اور الجھنوں کو اس طرح بیان کرتا ہے تاکہ لوگوں کو ان حقائق سے آگاہی دی جا سکے جو معاشرے میں بسنے والے عام اور خاص لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ بانو قدسیہ نے در پردہ ہونے والے جنسی جرائم اور ہوس پرستی کو لوگوں کے سامنے لانے کے لیے اپنی فن کارانہ مہارت سے کام لیا ہے۔ انھوں نے بگڑے ہوئے معاشرے کو سدھارنے کی کوشش کی ہے تاکہ لوگ برائی چھوڑ کر راہِ راست پہ آجائیں۔

اردو ادب میں طوائف کا کردار ہر عہد میں ایک خاص توجہ اور اہمیت کا حامل رہا ہے۔ مشہور ناول نگاروں، افسانہ نگاروں اور ڈراما نگاروں نے اپنے تخلیقی ادب میں طوائف کے کردار کو کسی نہ کسی رنگ میں ضرور شامل کیا ہے۔ یہ کردار ہمارے معاشرے اور معاشرتی افراد کے جنسی خیالات وجذبات اور احساسات کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جس کا تذکرہ کیے بغیر کسی بھی سماج کے اندرونی حقائق کی منظر نگاری نہیں ہو سکتی۔ اگر اس بات کا اس انداز میں اظہار کیا

جائے کہ معاشرے اور طوائف کا چولی دامن کا ساتھ ہے، تو یہ بھی سچ لگتا ہے۔ بانو قدسیہ نے اس ناول میں طوائف کی گھریلو زندگی، مسائل، بازارِ حسن کی صورت حال، معاشرتی زندگی اور حالات کو مخصوص انداز میں بیان کیا ہے۔ ایک طوائف کے خیالات، اندرونی جذبات، احساسات کو مکمل حقائق اور جزئیات کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مصنفہ نے نہ صرف طوائف کی زندگی کے نشیب و فراز، لوگوں سے وابستہ توقعات، طوائف کی اقسام، خواہشات کو بیان کیا ہے بل کہ جسمانی تعلقات کی ہوس، پیشہ وارانہ نفسیات غرض اس کی زندگی کے گزرنے والے شب و روز اور مکمل حالات کو اس طرح بیان کیا ہے کہ اس کا کوئی بھی گوشہ چھپا نہیں رہا۔ بانو قدسیہ کی کردار نگاری کے بارے نیلم فرزانہ یوں رقم طراز ہیں:

> ''بانو قدسیہ نے سیمی اور امتل کا کردار نہایت خوبی سے پیش کیا ہے امتل کی کردار نگاری میں ناول نگار کی توجہ اس بات پر مرکوز رہی ہے کہ وہ ایک طوائف کے کردار کو اس کے پورے ماحول کے ساتھ کس طرح پیش کر سکتی ہیں۔''(۱۴)

بعض نقادوں نے راجہ گدھ میں بیان ہونے والے فلسفے اور نظریات کو آڑھے ہاتھوں لیا ہے۔ انھوں نے بانو قدسیہ کے نظریات سے اختلاف بھی کیا ہے۔ حلال و حرام کے نظریے کو مختلف کرداروں کے ذریعے پیش کرنے کو بھی کڑی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ سب سے زیادہ اختلاف جنسی موضوعات کے اندازِ بیان پہ ہے کہ بانو قدسیہ نے بالکل واضح الفاظ و انداز میں جنسی موضوعات کا اظہار کیا ہے۔ اس ناول اور اس میں بیان ہونے والے نظریات پر ایک اعتراض یہ بھی لگایا جاتا ہے کہ انھوں نے مرد اور عورت کے ناجائز اور گھناؤنے جنسی تعلقات کو بیان کرنے کے لیے کسی علامت کا سہارا نہیں لیا بل کہ ننگے اور کھلے الفاظ استعمال کیے ہے۔ بعض اوقات مصنفہ کچھ مناظر کی منظر نگاری اتنے بے باک انداز میں کر جاتی ہیں کہ اس سے قاری کے ذہن میں غلط خیالات جنم لیتے ہیں۔ راجہ گدھ میں جنس نگاری کے لیے کھلے الفاظ اور بالکل واضح انداز اپنانے پر غلام حسین غازی نے اس پر سخت تنقید کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''اگر بانو قدسیہ محترمہ نے ناول ایک خاص تھیوری کی وضاحت اور لامحالہ معاشرہ میں ایک مثبت اثر یعنی نیکی کی ترویج کے لیے لکھا تو پھر جگہ جگہ واضح جنسی زبان استعمال کرنے کی ضرورت کیا تھی؟''(۱۵)

بانو قدسیہ نے اپنے دوسرے ناولوں حاصل گھاٹ اور شہر لا زوال، آباد ویرانے میں بھی بعض مقامات پر حقیقت نگاری سے کام لیا ہے اور انھوں نے جنسی معاملات کو کھلے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ان ناولوں میں راجہ گدھ کے مقابلے میں جنسی معاملات کے بارے کم گفتگو کی گئی ہے۔ شہر لا زوال، آباد ویرانے میں کہیں کہیں جنسی موضوع کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس ناول میں ایک طرف طوائف کی زندگی کے شب و روز اور اس کے حالات و واقعات کی منظر نگاری، ظفر کی بیوی رخشندہ عرف رشو ایک مشہور طوائف کے نام سے جانی جاتی ہے، مرکزی کرداروں کے جنسی معاملات بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ سید اکرام شاہ ایک جعلی پیر ہے جو جنسی ہوس کا دلدادہ ہے، ڈاکٹر فہیم عورتوں کے حمل ضائع کرنے اور انھیں غلط قسم کی ادویات فراہم کرتی ہے، جنرل بختیار جو رخشندہ عرف رشو کا عاشق ہے اور اس سے جنسی تعلقات میں ایک حد سے بھی تجاوز کر چکا ہے اور کئی بار اس کے حمل ضائع کروا چکا ہے، جنرل بختیار کا بیٹا جمال بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتا ہے اور وہ بھی رخشندہ کے جسم کا پیاسا ہے، کاشف کی کہانی بھی جنسی

معاملات کے گرد گھومتی ہے۔ جنسی نگاری کے تناظر میں ناول سے چند اقتباسات:

''پہلے بھی کئی بار اس کا پاؤں بھاری ہوا تھا اور وہ اسقاط حمل کے لیے لیڈی ڈاکٹر فہیم کے پاس گئی تھی۔''(۱۶)

''اپنی تمام آرزوؤں کے باوجود اس نے Abortion کا فیصلہ کر لیا۔''(۱۷)

''طوائف ماں کی نیت اچھی تھی لیکن پھر نہ جانے کب اور کس رات اس کے چوبارے پر آنے والے ایک گاہک نے اس کو طوائف زادی سمجھ کر اپنے تصرف میں لے لیا۔''(۱۸)

''اس کا جنسی فنکشن کبھی عورت سے عورت تک کا فرق جان نہیں سکا۔''(۱۹)

حاصل گھاٹ میں بھی مصنفہ نے حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے جنس نگاری سے کام لیا ہے اور انھوں نے بالکل واضح انداز میں معاشرتی حالات و واقعات اور انسانی زندگی کے مسائل کو بیان کیا ہے۔ انھوں نے معاشرے میں جو دیکھا اسے بیان کرتے ہوئے کسی قسم کی ہچکچاہٹ سے کام نہیں لیا۔ مرد اور عورت کے درمیان پیار، محبت اور جنسی تعلقات کو بیان کرنے میں انھوں نے کسی بات کو چھپایا نہیں بل کہ مکمل جزئیات کے ساتھ بیان کیا۔ اس ناول میں بھی مصنفہ نے طوائف کی معاشرتی زندگی اور اس کے جذبات و احساسات کو اپنے مخصوص انداز میں بیان کیا ہے۔ اس انداز بیاں پر انھیں شدید تنقید کا نشانہ بھی بنایا گیا لیکن انھوں نے ہمیشہ حقیقت نگاری سے کام لیا۔ جنسی موضوعات کے حوالے سے ناول حاصل گھاٹ سے چند اقتباسات:

''جونہی اس میں طوائف پن ابھرتا ہے، وہ ذات کے حوالے سے خود غرض سوچ میں رنگیجاتی ہے۔''(۲۰)

''وہ اپنے وجود کی نمائش کے لیے کوشاں ہو جاتی ہے۔''(۲۱)

''مدتوں طوائف بنے رہنے سے مظلوم سے ظالم بننے کا عمل پیش آتا ہے۔''(۲۲)

''اب اشتہار کے لیے عموماً عورت کی جنسی کشش کا سہارا لیا جاتا ہے۔''(۲۳)

مجموعی طور پر یہ کہنا درست ہوگا کہ بانو قدسیہ نے اپنے ناولوں میں لوگوں کے مختلف النوع معاشرتی، سماجی اور گھریلو مسائل کو اجاگر کیا ہے اور ان تمام مسائل کے اسباب اور محرکات کو بھی معاشرے کے سامنے لانے کے لیے جرات اور ہمت سے کام لیا ہے۔ رزق حرام کھانے کی وجہ سے جب انسان برے افعال کرنے لگ جاتا ہے اور اس کے اندر جو خرابیاں اور قباحتیں پیدا ہوتی ہیں اور ان کی وجہ سے معاشرے کے اندر جو مسائل اور خرابیاں جنم لیتی ہیں، ان کی نشاندہی کی ہے۔ اس نشاندہی میں انہوں نے غلط جنسی تعلقات کو بیان کرنے کے لیے حقیقی انداز اور حقیقت نگاری سے کام لیا ہے کہ ایک مرد کس طرح عورت کے جسم سے اپنی جنسی بھوک مٹاتا ہے اور ایک عورت جب اچھی تربیت کی کمی کے باعث اس دلدل میں پھنس جاتی ہے تو وہ کس طرح برائیوں میں آگے سے آگے دھنس جاتی ہے۔ انھوں نے اپنے ناولوں میں طوائف کی زندگی، جذبات و احساسات، جنسی تعلقات، اس کی ذات کے بارے معاشرتی رویوں اور معاشرے میں اس کے مقام پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے۔ بانو قدسیہ نے ان تمام معاملات، حالات و واقعات کو بالکل کھلے الفاظ میں بیان کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے اور وہ اس مشن میں ہر پہلو سے کامیاب بھی دکھائی دیتی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ انور سدید، اردو ادب کے معمار بانو قدسیہ، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ۲۰۰۸ء)، ص ۱۶

۲۔ ممتاز احمد خان، اردو ناول کے بدلتے تناظر، (لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۲۰۰۷ء)، ص ۱۹۴

۳۔ عقیلہ جاوید، اردو ناول میں تانیثیت، (ملتان: یوسف مرید پرنٹنگ پریس، ۲۰۰۵ء)، ص ۲۴۱

۴۔ ایم ڈی تاثیر، مقالاتِ تاثیر، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۸ء)، مرتبہ: ممتاز اختر مرزا، ص ۲۴۶

۵۔ بانو قدسیہ، راجہ گدھ، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۱ء)، ص ۱۵۳۔۱۵۴

۶۔ ایضاً، ص ۱۳۳

۷۔ ایضاً، ص ۱۲۷

۸۔ ایضاً، ص ۲۲۲

۹۔ ایضاً، ص ۳۱۲

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۵۸

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۱۶

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۳۱

۱۳۔ عقیلہ جاوید، اردو ناول میں تانیثیت، ص ۲۴۱۔۲۴۲

۱۴۔ نیلم فرزانہ، اردو ادب کی اہم خواتین ناول نگار، (نئی دہلی: براؤن بک پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ص ۳۱۹

۱۵۔ غلام حسین غازی، راجہ گدھ: تنقیدی جائزہ، (لاہور: بک ہوم، ۲۰۱۷ء)، ص ۸۹

۱۶، ۱۷۔ بانو قدسیہ، شہر لا زوال، آباد ویرانے، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء)، ص ۲۲

۱۸۔ ایضاً، ص ۴۵

۱۹۔ ایضاً، ص ۳۷۴

۲۰، ۲۱۔ بانو قدسیہ، حاصل گھاٹ، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء)، ص ۹۴

۲۲۔ ایضاً، ص ۱۲۸۔۱۲۹

۲۳۔ ایضاً، ص ۲۶۹